Lesson 2: Hijr (Ayaat 51- 99): Day 7 سُوْرَۃُ الحِجر کی تفسیر

آیتوں پر جانے سے پہلے تھوڑا سا سبق کا خلاصہ، آج کے اس سبق میں ہم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناطے سے اللہ تعالی کی سنت دیکھیں گے.

اس سبق سے پیچھے والی آیات کے اندر ہم نے اللہ تعالی کی متضاد صفات کا ذکر دیکھا تھا, کہ نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۙ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیۡ ہُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ ﴿۵۰﴾ ہاں ہمیں اللہ تعالی کی دونوں صفات دکھیں گی کہ کیسے جھٹلانے والی قوموں کو بلآخر اللہ نے پکڑا، اور وہ انبیاء کرام جو وقت سے، معاشرے سے مختلف چال چلتے ہوئے دکھتے تھے ان کو کیسے بچالیا۔ اور انہوں نے اللہ کا حکم مانا۔ دوسری چیز جو اس سبق میں ہمیں دکھے گی کہ اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا، اور پھر قوموں کے حالات میں جو چیز اس سبق میں ہمیں سمجھائی گئی کہ جب لوگ نبیوں کی موجودگی میں بھی غلط کام نہیں چھوڑتے تو اللہ تعالی کی ان کے ساتھ کیا پکڑ ہوتی ہے۔ اور نفس کی باتیں کن لوگوں کو ماننا آسان لگتا ہے اور پھر سبق کے آخر میں بہت ہی خوبصورت آیات ہم دیکھیں گے کہ جس کو قرآن مل جائے کیا اس کو کسی اور دوسری طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔

تو کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ سے جو ایک موضوع چلتا آرہا تھا انشاء اللہ اس سبق میں ہم اس موضوع کے بارے میں دیکھیں گے۔ اور پھر آخر میں ہم دیکھیں گے کہ دین کا کام کب تک کرنا ہے۔ یعنی موت تک۔ یہ قصہ یہ کہانی بہت آسان ہے۔ پیچھے ایک دو دفعہ ہم نے پڑھی ہوئی ہے، لیکن جب بھی پڑھیں گے، اس میں سے عمل کی نئی باتیں ملیں گی۔ ہم صرف کہانیوں کے لئے نہیں پڑھتے عمل کے لئے پڑھتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اور انہیں ذرا ابراہیمؑ کے مہمانوں کا قصہ سناؤ

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کہا۔ (انہوں نے) کہا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں

ابراہیم نے کہا؛

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ بولے کہ جب مجھے بڑھاپے نے آ پکڑا تو تم خوشخبری دینے لگے۔ اب کاہے کی خوشخبری دیتے ہو۔

فرشتے بولے؛

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ (انہوں نے) کہا ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوئیے۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ (ابراہیم نے) کہا کہ خدا کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا اس سے) مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔

ان آیات کو پڑھتے ہوئے سورۃ کے آغاز کی وہ آیات ذہن میں رکھ لیجئے جب مشرکین مکہ نے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے پاس فرشتے آئیں اور ہم ان فرشتوں کو دیکھیں۔

تو کیا کہا گیا کہ فرشتے تو حق کے ساتھ آتے ہیں۔ یہاں فرشتوں کے آنے کی بات کر دی گئی کہ دیکھو جب فرشتے آئیں گے تو اس وقت یا تو وہ عذاب کی خبریں لے کر آئیں گے کیونکہ تم نے وقت کے نبی کو ستایا اور اس کی بات نہیں مانی۔ اور اگر تم اس عرصے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان چکے ہو گے تو پھر فرشتے تمہاری نجات کی خبریں لے کر آئیں گے۔ یہ بات آیت نمبر سات اور آٹھ میں آئی تھی یہاں اتنی آیات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہانی سنائی جا رہی ہے۔

جہاں بھی انبیاء کرام علیہ السلام کے قصے سنیں تو ذہن میں رکھیں کہ مکہ کے اس دور کی کہانی ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا جا رہا تھا۔ نَبِّئْهُمْ میں هُمْ مکہ والے ہیں۔ یہاں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کہانی سنا کر دوسروں کو نصیحت کرنا۔ یہ بھی بہت خوبصورت چیز ہوتی ہے کہ انسان دوسروں کے حالات سے سمجھے۔ آج بھی جو لوگ کہانیاں سنتے ہیں تو پہلی بات کہ وہ کہانیاں سچ پر مبنی نہیں ہوتیں، اور دوسری بات کہ اس ایک سچ میں کئی جھوٹ ملائے ہوتے ہیں اور پھر ان کہانیوں کے اندر اس قسم کے کردار پیش کیے جاتے ہیں کہ جو شیطان کے مقاصد کی نشر و اشاعت کرتے ہیں، تو ہم سچی کہانیاں سنائیں۔ پیچھے ہم نے انبیاء کرام میں حضرت یوسف ؑ کا قصہ پڑھا، کسی بھی لو سٹوری سے کم نہیں تھا لیکن آپ نے کبھی نہیں کہہ سکتے کہ کوئی سورۃ یوسف پڑھے اور کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو جائے، یہ قرآن کی تاثیر ہے۔ اور سچ کی یہی تاثیر ہوتی ہے کہ سچ کو سننے کے بعد کبھی بھی انسان اپنے آپ کو ہدایت سے دور نہیں کرتا۔ قرآن پاک کے اس سفر میں ہر دن اپنے دل کو چیک کیا کریں، کیا میرے دل سے گناہوں کی محبت ختم ہو رہی ہے؟ کیا میں اپنے دل میں ان ساری چیزوں کو پیچھے کر رہی ہوں؟

پچھلے سبق کی آخری آیات جنت اور جہنم کے بارے میں تھیں۔ وہاں اللہ تعالی کی دو متضاد صفات کا ذکر تھا۔ وہاں جنت اور جہنم کے مختلف درجوں کی باتیں تھیں۔ یہاں اب انبیاء کرام کو قوموں کے ناطے سے دو مختلف روپ دکھائے جاتے ہیں۔

ہم سب کو بھی دو مختلف روپ دکھائے جاتے ہیں ایک طرف نبی وقت کے خلاف چلنے والے، معاشرے کی دوڑ سے پیچھے رہنے والے، نہ سمجھ میں آنے والا طرزِ زندگی رکھنے والے، اور دوسری طرف "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی"۔

اللہ تعالی نے پچھلے سبق میں ہمیں شیطان کے مخلصین پر وار نہ ہونے کی بات بتائی۔ یہاں مخلصین کا حال اور انجام بتایا جارہا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ خالص سونے کی طرح مخلص بندہ مختلف حالات میں اپنی چمک نہیں کھوتا۔ لیکن آرٹیفیشل زیور بہت دن نہیں چلتا۔ اگر اس کی کیئر اچھی کریں تو بہت دن تک بھی چل سکتا ہے۔ ہم سب ان ساری باتوں کو سنتے وقت سوچیں کہ میری چمک کتنی ہے؟ اور میرے اندر اخلاص کتنا ہے؟ کیا میں لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کام کرتی ہوں؟ یا لوگوں کی ناراضگی سے ڈر جاتی ہوں۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی پڑھا تھا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں یعنی سات درجے ہیں اگر اسی سے متعلق ایک بات یہاں پر ہم نوٹ کرلیں کہ جہنم میں جتنے مختلف قسم کے لوگ جائیں گے ان سب کے اعمال میں بڑا فرق ہو گا۔ اللہ تعالی کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں جتنا بڑا گناہ ہو گا، اتنی زیادہ جہنم کی گہرائی میں جائے گا۔ اگر ہم جہنم کو ایک تنور سے سوچ لیں۔ تنور کے اوپر اوپر گرمی کم ہوتی ہے لیکن جتنا گہرائی میں جائیں اتنی گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ انبیاء کرام کی قومیں اصل میں وہ قومیں، وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو کسی بھی تنور کے اندر آگ کی لکڑیوں کی طرح جلایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ

گہرائی میں جانے والی قومیں ہوتی ہیں۔ عکرمہ ایک مُفسر ہیں کہتے ہیں کہ جہنم کے سات طبقے ہیں، جہنم، لظیٰ، حُطمہ سعیر، صقر، جحیم اور ہاویہ۔ کہتے ہیں کہ ایک دروازہ یہود کا ہے یعنی سات درجوں میں سات مختلف قسم کے لوگ ایک سے یہود، دوسرے سے نصاریٰ، ایک سے صابی، ایک سے مجوسی، صابی بے دین کو کہتے ہیں ایک مشرکوں کا، ایک کافروں کا، ایک منافقوں کا اور ایک اہل توحید کا۔ صرف اہل توحید والوں کو چھٹکارے کی امید ہے باقی سب ناامید ہو چکے ہیں۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں جن میں سے ایک ان کے لئے ہے جو میری امت پر پر تلوار اٹھاتے ہیں۔ اسی آیت کی تفسیر میں ابن ابی حاتم میں آتا ہے کہ بعض دوزخیوں کے ٹخنوں تک آگ ہو گی، باز کی کمر تک اور بعض کی گردنوں تک اور گناہوں کی مقدار کے حساب سے۔ اس کے برعکس جنت اور جنت کی خوبیوں کی بات ہے۔ یہ سب تو وہاں جا کے ہو گا۔ ایک بڑی قیامت جو آخرت میں ہو گی، نبیوں کی زندگی میں اس کی ایک چھوٹی سی جھلکی پیش کر دی جاتی ہے۔ انبیاء کرام کے نکلتے ہی جو قوموں پر عذاب کی کیفیت طاری کر دی جاتی ہے، وہ اصل میں اس آنے والی قیامت کی ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے۔

تو لہٰذا ہم سب ان سب کو سن کر اپنا محاسبہ کر سکتے ہیں۔ اگر آج کے دور میں نبی آتے تو میں کِدھر ہوتی۔ کیا انبیاء کرام کے مشن اور ان کی دعوت میں شامل ہوتی، یا آپ کے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہوتی۔ یہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ اللہ کے نبیوں کا ساتھ دینے والے لوگ جسم کے نہیں روح کے تقاضوں پہ نظر رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور پھر یہاں فرشتوں کے آتے ہی سلام کرنے پر بھی تھوڑا سا غور کر لیجیے فرشتوں کو کسی کام کا گناہ یا ثواب نہیں ہوتا اور نہ ان کو اس طرح سے شریعت پڑھائی جاتی ہے

جس طرح سے مسلمانوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود فرشتوں نے آتے ہی سلام کیا۔ ان کو یہ 'فطرت' نے سکھایا۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان جب دوسروں کو ملے تو ان کو اپنے سے سلامت رکھے، کہ تمہیں ہم سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ فرشتے چونکہ حضرت لوطؑ کی قوم کو عذاب دینے آئے تھے لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو بیٹے کی خوشخبری دے گئے۔۔ تو سلام کر کے انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو تسلی دلائی اور اسی طرح جنت میں بھی جنتیوں کو فرشتوں کی طرف سے سلام کا پتہ چلتا ہے۔ تو گویا کہ سلام کرنا انسانوں کی طرح فرشتوں کی بھی خوبی ہے۔

دوسری بات کہ فرشتوں کو دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ کیوں ڈرے، پہلی وجہ بغیر اجازت کے آئے تھے۔ ہم بھی جب کسی کے سر پر بغیر اجازت کے پہنچ جاتے ہیں تو اس کو بعض دفعہ ہم سے خوف آجاتا ہے، انتہائی ناگوار حرکت ہے۔ کبھی بھی کسی کے گھر بغیر اجازت کے نہ جائیں۔ باہر کھڑے رہیں۔ اگر بڑی مجبوری ہے تو دس پندرہ منٹ انتظار کر لیں لیکن یہ نہ کہیں کہ ہم آگئے ہیں دروازہ کھولو۔ نہ اگلا آپ کو اندر بلا سکتا ہے اور نہ باہر کر سکتا ہے۔

اور جب کہ فرشتے ایسے وقت میں آئے جو عموماً ملاقات کا وقت نہیں تھا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب بھی کسی کو ملیں وقت کا خیال رکھیں۔ پہلے سے بات سیٹ کی ہو تو آسان ہوتی ہے۔ پھر مفسرین ایک اور وجہ لکھتے ہیں کہ فرشتوں کے اوپر نہ تو سفر کی تھکن تھی جس سے لگے کہ یہ مسافر ہیں اور نہ انکی شکلیں جانی پہچانی تھیں۔ تو فرشتوں کو اتنا فریش دیکھ کر اس دور کے رواج کے خلاف کہ مسافر جب آتے تھے تو ان کے چہروں پہ سفر کی تکلیف ہوتی تھی۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ڈرے۔ اور اس سے ایک اور بات پتہ چلتی ہے کے فرشتوں کو دیکھ کر پتہ ہی نہیں چلا کہ فرشتے

ہیں۔ گویا کہ انبیاء کرام غیب نہیں جانتے۔ اور پھر دوسری بات کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ میرے ہاں بچہ ہو گا، کیا یہ انکا اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا تھا؟

یہ ان کے ایمان کی کمزوری نہیں تھی بلکہ یہ ان کے منہ سے ایک ایسی بات نکلی جس سے ان کا بشر ہونا ثابت ہوا۔ دِل اللہ پر مطمئن تھا۔ یہاں پر ایمان کی نہیں دل کی بے یقینی کی کیفیت تھی۔ جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ "انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا"۔ آج بھی دیکھیں اگر کسی کو 80 سال کی عمر میں بچے کی امید لگ جائے۔ تو شروع میں تو یہ یقین نہیں آئے گا کہ ساری عمر تو یہ خبر نہیں ملی تو آج یہ کہاں سے ملی۔ تو پتا کیا چلا کہ ایمان والا ہر لمحہ اللہ کے فیصلوں پر مطمئن ہوتا ہے۔ مایوسی گمراہ لوگوں کا طریقہ ہے۔ ایمان اور امید ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ مومن کو ہمیشہ اللہ کے " اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ " ہونے پر یقین ہوتا ہے۔

اس میں ایک اور سیکھنے کی چیز ہے کہ زندگی میں ہمیشہ 'پوزیٹو اپروچ' رکھیں۔ بڑے سے بڑے امتحانات میں سے آرام سے گزر جائیں گے۔ بس اندھیرے دنوں میں روشن دروازوں کو دیکھتے رہیں۔ جو نیگیٹیو ہوتا ہے وہ موجود چیزوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ زندگی کے سفر میں بہت سے ٹرننگ پوائنٹ آئیں گے۔ اگر کبھی پہاڑی علاقوں کا سفر کیا ہو تو دو دو تین تین میل تک سرنگ سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ناروے میں عام بات ہے چھ، سات کلو میٹر کی ایک عام ٹنل ہوتی ہے اور جب وہاں سے گاڑیاں گزرتی ہیں تو میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر ان کا یہ سب لائٹ سسٹم بند ہو جائے اور گاڑی کی لائٹ بھی بند ہو جائے تو یہ تو ہماری قبر بن جائے گی۔ آپ وہاں سے پلٹ بھی نہیں سکتے اور بعض ٹنل بہت بڑی ہیں۔ لیکن زندگی کے سفر میں بھی ٹنلز آتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے 'راؤنڈ اباؤٹ' بھی

آتے ہیں لیکن بندہ مومن پُر امید رہتا ہے۔ گویا کہ اسلام بندے کو ڈپریشن فری زندگی دیتا ہے۔ ڈیپریشن ہے ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اور اللہ تعالی نے جو لفظ یہاں استعمال کیا ہے یہ امیزنگ ہے یَّقۡنَطُ قنوت، کسی معاملے کا تاریک پہلو دیکھنا، تاریک سوچ، سورہ یوسف آیت 87 میں بھی ہم پڑھ چکے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔ کبھی بھی آپ کی زندگی میں بہت سے مسائل آجائیں تو ڈھونڈیئے، اسی کے قریب کہیں مواقع بھی رکھے ہوں گے۔ مسائل کے اندر سے مواقع نکلتے ہیں۔ مشکلات انسان کے دماغ کو اس طرح متحرک کر دیتی ہیں کہ اس کو وہ چیزیں بھی نظر آنے لگتی ہیں جو عام حالات میں نہیں نظر آتیں۔ آزما کر دیکھیں، خوشی والے گھر میں ہم بیٹھے ہوں تو اس وقت نہ ہم کچھ سوچتے ہیں بلکہ کسی اور ہی خیال میں ہوتے ہیں۔ لیکن دُکھ اور تکلیف والی جگہ پر ہوں تو دماغ کئی جگہ سے اِدھر سے اُدھر چل رہا ہو گا۔

تو ساری باتوں کو لے کر اس قوم کے حال کو دیکھیے ایک ہی وقت میں خوشی اور غم کی بات ہے۔ آگے قومِ لوط کی بات ہو رہی ہے تو اس سے پتہ چلا کہ فرشتے ایک ہی ہیں لیکن اللہ تعالی کبھی ان کے ذریعے ہمیں خوشی کی خبریں دیتا ہے اور کبھی غم کی۔ ہمیں اس سارے واقعے سے ہم اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ میں کہاں کھڑی ہوں۔۔ اگر چند نیک لوگوں کے بیچ میں میں اٹھتی بیٹھتی ہوں تو کیا میں نیک بن گئی ہوں۔ اور اگر بُرے ماحول میں میں گھر گئی ہوں تو کیا ان کی برائی نے مجھے بھی برا بننے پر مائل کر دیا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مکہ میں اپنا رنگ چھوڑا اور نہ مدینہ میں اپنا رنگ چھوڑا۔ بات یہ ہے انسان مختلف حالات میں اپنا کیا رویہ رکھتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے اس وقت نبیؐ کا ساتھ دیا، جب لوگوں نے آپؐ کو جھٹلایا۔ تو اللہ تعالی کیوں نہ ان کو ایسے محلات کی خوشخبریاں دے جہاں شور و غل

نہیں ہو گا، جہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ جو مشکل راستوں میں اللہ کے راستوں پر جمے رہتے ہیں اللہ تعالی ان کے لیے مشکلات میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ ایک موقعہ پر نبی علیہ الصلاۃ والسلام اپنے صحابہ کے پاس آتے ہیں اور ان کو ہنستا ہوا دیکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ لوگو دوزخ اور جنت کو یاد کرو یعنی اتنا ہنسنے کی ضرورت نہیں ہے جنت کو یاد کرو گے تو نیکی کی رغبت پیدا ہو گی، اور دوزخ کو یاد کرو گے تو اپنے گناہ بُرے لگیں گے۔

ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بنو شیبہ کے دروازے سے صحابہ کے پاس آکر کہتے کہ میں تو تمہیں ہنستا ہوا دیکھ رہا ہوں، اور یہ کہہ کر واپس مڑے حطیم کے پاس سے پھر الٹے پاؤں ہمارے پاس واپس آ گئے۔ یعنی یہ بات کہہ کر ابھی واپس ہی جا رہے تھے تو حطیم کے پاس جو خانہ کعبہ کے اندر ایک جگہ ہے، واپس آئے اور کہنے لگے کہ میں ابھی جا ہی رہا تھا کہ جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام آ گئے اور کہا نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ اور اس سے اگلی آیت جو ابھی پڑھ چکے ہیں۔ تو گویا کہ ایک بندہ کبھی بھی غافل نہیں رہ سکتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر بندے اللہ کی معافی کو جان لیں تو حرام سے بچنا ہی چھوڑ دیں کہ کوئی بات نہیں میرے اللہ نے مجھے معاف کر دینا ہے۔ اور اگر اللہ کے عذاب کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر لیں کہ ہم کبھی نہیں بچیں گے۔ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ۔ اللہ ہمیں الضَّاۗلُّوْنَ ہونے سے بچا لے۔ آمین

اب اگلی آیتوں میں فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے اٹھ کر حضرت لوطؑ کی قوم کے پاس جانے کا تذکرہ ہے۔ نبیوں کے پاس انبیاء کرام کا آنا سراسر اللہ تعالی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ آگے دیکھئے کہ حضرت

ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام جن کو اتنی بڑی خوشخبری مل گئی اس خوشخبری کو پا کر بھی ان کا رویہ کیا تھا فرمایا آیت 57 میں؛

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ پھر کہنے لگے کہ فرشتو! تمہیں (اور) کیا کام ہے

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ﴿۵۸﴾ (انہوں نے) کہا کہ ہم ایک گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ اس کو عذاب کریں)

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۵۹﴾ مگر لوط کے گھر والے کہ ان سب کو ہم بچالیں گے۔

خَطْبُكُمْ کے معنٰی ہیں کسی خاص موقع پر کسی ارادے سے وہاں جانا، یعنی تم کیوں ادھر آئے کیا وجہ تھی؟ یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی چہرے پر پریشانی کے اثرات دیکھ کر کہ وہاں پر تو میرا بھتیجا بھی رہتا ہے اس کا کیا ہو گا کہا، فکر نہ کریں اس کو بھی بچالیں گے۔ لیکن!

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ البتہ ان کی عورت (کہ) اس کے لیے ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی

اس لئے کہ وہ نبی کے مشن سے پیچھے رہنے والی تھی۔ پیچھے بھی بات ہوئی کہ حضرت لوطؑ کی شادی کسی غیر قوم کی عورت سے ہوئی۔ حضرت لوطؑ اُس قوم میں باہر سے بھیجے گئے تھے لیکن وہ اس قوم کا حصہ تھی۔ ان کی بیوی اپنی قوم سے بہت پیار کرتی تھی۔ وہ نہ تو زانیہ تھی، اور نہ فاسقہ تھی لیکن نبی کی بیوی ہونے کیلئے جو اس کا کردار ہونا چاہیے تھا اس پر وہ پورا نہیں اترتی تھی۔ آگے سورۃ الاحزاب میں ہم پڑھیں گے کہ اللہ جب کسی کو بڑی نعمت دیتا ہے تو اس نعمت کو سہارنے کا حوصلہ بھی انسان کے اندر

ہو۔ بعض دفعہ نعمت مانگتے ہی مل جاتی ہے لیکن پھر اس کو افورڈ نہیں کر سکتے۔ ہم عورت اور مرد کے دینی میعار کی بات کرتے ہیں۔ اب نہ تو کسی نبی نے اس دنیا میں آنا ہے، یہ سلسلہ سب ختم ہو گیا۔ لیکن اگر کسی پاکدامن، اچھی بچی سے جس کا اخلاق نہ بگڑا ہو، اس سے کہا جائے کہ کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تم کسی نبی کی بیوی بن جاؤ، تو جواب کیا آئے گا، ہم میں سے کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرے گا کہ ہمارے شوہر دین کے اس معیار پہ ہوں جس پر صحابہ کرام تھے۔ اور اگر پریکٹیکلی ہمارے شوہر صحابہ کرام والا رویہ اختیار کر لیں تو ہمارا کیا حال ہو گا۔

بڑے شعور کے ساتھ ایک جملہ بولوں گی کہ ہم بڑی دعائیں کرتے ہیں کہ ہماری بچیوں کو متقی ملے، لیکن متقیوں کے ساتھ رہنا آسان نہیں ہوتا۔ پتھر جتنا بھی قیمتی ہو، جب تک ایک مضبوط سانچہ نہیں ہو گا وہ پتھر گر جائے گا۔ آپ نے کبھی دیکھا ہو گا ڈائمنڈ کو کبھی ایسے ہی پکڑ کے لوہے میں نہیں ڈال دیتے۔ اندر گاڑ دیتے ہیں کہ یہ گرے نہ۔ لیکن اگر آپ ایک آرٹیفیشل رِنگ لیں تو وہ جھڑ جائے گی۔ کوالٹی کا فرق ہوتا ہے۔ آپ سب عورتیں چاہتی ہیں کہ ہمارے مرد نیک ہوں یا پھر جو میری بہنیں شادی شدہ ہیں وہ چاہتی ہیں کہ اُن کا شوہر نیک بن جائے، تو آپ اپنے ایمان کو بڑھائیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے پاک مردوں کے لئے پاک عورتیں اور ناپاک مردوں کے لئے ناپاک عورتیں۔ اور جن کی شادیاں ابھی نہیں ہوئیں وہ خود سے پوچھیں کہ کس درجے کا مجھے خاوند چاہیے۔ اگر آپ کو واقعی اصلی نیک چاہیے تو آپ کو بھی اصلی اور نیک بننا پڑے گا، ورنہ بعد میں بڑی مشکلیں آئیں گی۔ دن میں 5 بار آپ کی اپنی شوہر سے لڑائی ہو گی عام دنوں میں نہیں ہو گی۔ کہ آپ خوش ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ مجھے نماز پہ جانا ہے اور آپ کہتی ہیں باہر جانا ہے۔ مجھے شاپنگ پہ جانا ہے۔ دن میں پانچ بار لڑائی ہو گی

اگر ہمارا ایمان کھوٹا ہو گا۔ اور پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ جب اپنے بچوں کے لئے دعائیں مانگیں تو سوچ کے مانگیں۔ جب ہم دعائیں مانگتے ہیں تو پھر اس کے اہتمام بھی کیجیے۔ کیونکہ نعمتیں لینا بہت آسان ہے لیکن ان کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔

جب اللہ کے نبی مکہ سے مدینہ جا رہے تھے تو لوگوں نے کتنا ٹھوک بجا کر بات کر دی گئی۔ حضرت عباس نے کہا تم ان کو لے کر تو جا رہے ہو، لیکن اگر لے جا کر چھوڑنا ہے تو ابھی چھوڑ دو۔ ہم ان کے دین کے دشمن ہیں لیکن ان کی جان ہمیں بڑی پیاری ہے۔ حضرت عباس اس وقت دین پر نہیں تھے لیکن چچا بن کر بول رہے تھے۔ کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ جنہوں نے مدینہ میں اللہ کے نبیؐ کو بلوایا ہے یہ تو انہوں نے جان کو جوکھوں میں ڈال دیا ہے۔ اب یہ وہ آرام طلبی ان سے نہیں ہو سکتی۔ جب بھی کوئی نعمت آئے تو اُس کا حق ادا کریں۔

یہاں پہ حضرت لوطؑ کی بیوی۔ کتنی عزت لے سکتی تھی۔ یہ پڑھتے ہوئے اپنے دل میں بڑا درد محسوس کر رہی ہوں اس عورت کے لئے، قرآن جو رہتی دنیا تک رہنے والی کتاب ہے، اس میں اس عورت کا نام چل رہا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ اٹھائیسویں پارے کی آخری سورت سورۃ تحریم میں پھر اس کا ذکر آئے گا۔ لیکن اللہ کیا کہہ رہے ہیں اِلَّا عَجُوزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ۔ پیچھے رہ جائیں گے۔ جتنے مرضی وہ نیک ہو جائیں جب تک ہم خود اس راستے پر نہیں چلیں گے۔ اب آپ کہتے ہیں ہمارے شوہر بہت نیک ہیں، ہمارے سسر بڑے نیک ہیں۔ ہمارے ابا جی، دادا جی بڑے نیک دکھتے لیکن آپ یہ بتائیں کہ آپ کتنے نیک ہیں؟ تو جس کے عمل نے اس کو پیچھے چھوڑا اس کا نسب اسکو آگے نہیں لائے گا۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۙ﴿۶۱﴾ پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے ۔

یعنی یہاں سے اُٹھے تو اُدھر گئے۔ اب یہاں لوط اور فرشتوں کے درمیان مکالمہ ہے۔

قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ تو لوط نے کہا تم تو نا آشنا سے لوگ ہو۔

قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وہ بولے کہ نہیں بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے۔

وہ کیسی چیز ہے؟

وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾ اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس چیز سے شک کر رہے تھے۔ پہلی چیز شرک، دوسری چیز ہم جنسی کی موجودگی میں اللہ کی رضا۔ یعنی ان کو اس پر شک تھا ہم غلط کام کرتے بھی رہے پھر بھی پکڑ نہیں ہو گی۔ اللہ کے عذاب پہ شک کرتے تھے۔ گویا کہ فرشتے وہاں عذاب لیکر آئے، جس عذاب سے لوگ خود کو پیچھے کر رہے تھے۔ اور اپنے آپ کو سمجھ رہے تھے کہ ہم بڑے محفوظ ہیں۔ لفظ غٰبِرِيۡنَ سے اُردو میں لفظ غبار بھی آتا ہے۔ غَبَرَ، تو قافلہ کوچ کرتا ہے تو پیچھے جو مٹی اُڑتی ہے اس کو غبار کہتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ستائیس (27) دفعہ حضرت لوطؑ کا ذکر ہے۔ اور آپ دیکھیں جہاں قوم لوط کا ذکر ہے وہاں homeosexual لوگوں کا ذکر ہے۔ اور روایت میں آتا ہے کہ فرشتوں کو سب سے پہلے ان کی بیٹی نے آتا دیکھا تھا۔ اس لیے آلِ لوط کا ذکر آیا۔

کہتے ہیں یہ قوم اجنبی مسافروں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی تھی۔اس لیے گھبرائی۔لفظ مُّنۡكَرُوۡنَ منکر کی جمع۔لباس سفید تھے، چہرے روشن تھے، سفر کے اثرات نہیں تھے۔یہاں جو لفظ ہے يَمۡتَرُوۡنَ اِمتِرَ، سے ہے۔اس کا روٹ م،ر،ی ہے اور لفظ بَلۡ جِئۡنٰكَ ، تو بَل عربی زبان میں ادراق کے لیے آتا ہے۔پچھلی بات کی نفی اور اگلی بات کی تاکید۔جس کو اُردو میں آپ کہتے ہیں بلکہ، بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو اور ہم حق لیکر آئے ہیں۔یعنی حق والے کی طرف سے آئے ہیں۔وہ ہی بات یاد رکھیں آیت سات اور آٹھ میں، کہ فرشتے جب بھی آتے ہیں حق کے ساتھ آتے ہیں۔یعنی اللہ کا حکم لیکر آتے ہیں۔اگلی آیت میں دیکھیں اللہ اپنے نبی کو کیسے بچاتا ہے؛

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾

تو آپ کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے نکلیں اور خود ان کے پیچھے چلیں اور اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے۔اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جایئے۔

حضرت لوط کے ساتھ صرف دو بیٹیاں گئی تھیں۔ایک مرد بھی ان پر ایمان نہیں لایا تھا۔پوری بستی میں لوط کے گھر کے سوا کوئی بھی ایمان والوں کا گھر نہیں تھا۔اس سے بھی زیادہ کوئی اجنبیت ہو گی۔ پھر لوط بھی ویسے ہی ہو جاتے جیسے ماحول تھا۔پھر بیٹیوں کے باپ تھے بچارے، رشتے بھی تو کرنے تھے۔خود پیچھے بیٹیاں آگے۔لفظ اَدۡبَارَهُمۡ کو نوٹ کیجئے۔جب بھی انبیا کرام کو ہجرت کا حکم دیا جاتا ہے سب لوگ پہلے نکل جاتے ہیں۔نبی سب سے آخر میں نکلتا ہے۔اس کی دلیل نبیؐ، سب جا چکے ہیں اور ابو بکر راستہ دیکھ رہے ہیں لیکن جب بالآخر نبیؐ کو حکم ملا تو پھر ابو بکر گئے۔کیونکہ نبی کسی بستی میں روح کی طرح ہوتے ہیں۔جب جسم سے روح نکل جاتی ہے، تو جسم کو مٹی میں ڈال دیتے ہیں جا کے قبر

میں۔اسی طرح جب نبی کسی بستی سے نکلتے ہیں تو وہ بستی بے جان ہے،اب عذاب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔تو نبیوں کو سب سے پیچھے رکھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ پیچھے مُڑ کے نہ دیکھنا۔یہ جو لفظ ہے يَلْتَفِتْ اُردو میں بھی ہم بولتے ہیں التفاف،کیوں نہ پیچھے مُڑ کے دیکھنا،نمبر ایک منظر کی ہولناکیاں،پیچھے جن پہ عذاب آنا ہے وہ کوئی بڑے پیار سے تو نہیں آئے گا۔پھر دوسری بات کہ پیچھے دیکھنا محبت کی علامت ہوتی ہے۔ جب اللہ کے لیے کوئی چیز چھوڑ دیں تو پھر اس کی طرف پیچھے پلٹ کے بھی نہ دیکھے۔جب ہم پلٹ پلٹ کے اپنی پچھلی زندگی کی یادگاریں دیکھتے ہیں تو کئی دفعہ ان گناہوں کی کراہت ختم ہو جاتی ہے۔میں اکثر سوچتی ہوں کہ ہم اپنی یادگاریں کیوں رکھتے ہیں؟

اسلام کہتا ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ سب فانی،مِٹے گا۔ہم فانی لوگوں کی یادیں جمع کرتے ہیں تاکہ ان کو دیکھیں اور روگی ہوتے رہیں۔صرف وہ یادیں رکھیں جو آپ اچھے ہیں،انسان عام زندگی گزارتا ہے، پھر اسکی زندگی میں بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں۔دن بدن قرآن اس کا تزکیہ کرتا ہے۔پھر اس کا کردار خوبصورت ہوتا ہے۔ہمارا جسم دن بہ دن کشش کھو رہا ہے۔جو معصوم،بچپن،جوانی کا حسن ہوتا ہے وہ پچیس تیس سال میں نہیں رہتا۔اِلَّا مَاشَآءَاللہ۔لیکن کردار کا حسن دن بہ دن پھیلتا ہے۔قرآن پڑھنے سے پہلے کی شخصیتیں اور قرآن پڑھنے کے بعد کی شخصیتوں میں وہ ہی فرق ہے کہ جو کسی کے آج کے اور شادی کے دن خوبصورت لگنے میں فرق ہو۔اگر تربیت کا اور تزکیہ کا مرحلہ جاری رہے تو کردار آگے آگے خوبصورت ہوتا ہے۔اب کینے ختم ہو جاتے ہیں۔میں نے سخت غصے والے لوگوں کو

بعد میں اتنا ٹھنڈا مزاج پاتے دیکھا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی بہنیں ہیں۔ قرآن اتنا خوبصورت کر دیتا ہے۔ یادیں رکھنی ہیں تو اپنے اخلاق کی رکھیں، کردار سازی کی یادیں رکھیں۔

بہر حال وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جایئے۔ یہ بھی وجہ تھی پیچھے نہ دیکھنے کی کہ بس کہہ دیا اللہ نے تو ختم۔ کدھر جانے کا حکم ہوا تھا، کچھ کہتے ہیں اُردن شہر کی طرف اور کچھ کہتے ہیں شام کی طرف۔

یہ بالکل ایسے لگتا کہ منظر کشی کی جاری ہے۔ معاملے کی شدت کو واضع کیا جارہا ہے۔